چالیس احادیث

شاہ ولی اللہ دہلویؒ / ترجمہ وتشریح: مولانا محمد فاروق خاں°

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (م:۱۷۶۲ء) کی مرتب کی ہوئی یہ چہل حدیث مختلف خصوصیات کی حامل ہے۔ اس چہل حدیث کی تمام احادیث کو شاہ صاحبؒ نے ایک ہی سلسلۂ سند سے روایت کیا ہے اور اس سند کے صحیح اور مستند ہونے پر اپنا اطمینان ظاہر فرمایا ہے ۔ان احادیث کے رواۃ کے اسمائے گرامی، شاہ صاحب نے ۲۴ نقل کیے ہیں۔ گویا ۲۴ واسطوں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ احادیث شاہ صاحبؒ تک پہنچی ہیں۔ آخری راوی حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں۔ احادیث کو میں نے اسی ترتیب سے نقل کیا ہے، جس ترتیب سے شاہ صاحبؒ نے ان کو مرتب فرمایا ہے اور سب کے ساتھ ان کے مآخذ بھی درج کر دیے ہیں۔

چہل حدیث میں نقل کی گئی حدیثیں نہایت جامع اور زندگی کے مختلف گوشوں پر حاوی ہیں۔ احادیث کے الفاظ اگرچہ مختصر ہیں، مگر معانی ومفاہیم کے لحاظ سے ان میں بڑی وسعت پائی جاتی ہے۔ چونکہ الفاظ مختصر ہیں اس لیے ان کو یاد کرنا اور برابر پڑھتے رہنا کچھ مشکل نہیں ہے۔ لوگوں کی آسانی کے لیے احادیث کا اُردو ترجمہ اور مختصر تشریح بھی کر دی گئی ہے۔

○

□ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لَيْسَ الْخَبَرُ كَالْمُعَايَنَةِ ”خبر مشاہدہ کے برابر نہیں“۔ (مسند احمد، ج ۱ص ۲۷۱عن ابن عباسؓ، ابن حبان اور حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ المقاصد الحسنہ، السخاوی، ص۳۵۲)

یہ حدیث مسند احمد میں حضرت ابن عباسؓ سے ان الفاظ میں روایت کی گئی ہے:

° تخریج: سمیع الحق شیر پاؤ، لاہور

لَيْسَ الْخَبَرُ كَالْمُعَايَنَةِ، إِنَّ اللهَ تَعَالَى أَخْبَرَ مُوسَى بِمَا صَنَعَ قَوْمُهُ فِي الْعِجْلِ فَلَمْ يُلْقِ الْأَلْوَاحَ فَلَمَّا عَايَنَ مَا صَنَعُوا أَلْقَى الْأَلْوَاحَ فَانْكَسَرَتْ، ''خبر آنکھ سے دیکھ لینے کے مانند نہیں ہوسکتی۔ خداوند تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو بچھڑے کے متعلق جو کچھ ان کی قوم نے کیا تھا اس کی خبر دی، لیکن اس سے متاثر ہوکر موسیٰ علیہ السلام نے (تورات کی) تختیوں کو نہیں پھینکا۔ مگر جب موسیٰ علیہ السلام (اپنی قوم میں آئے اور انھوں) نے اپنی آنکھوں سے اپنی قوم کے کرتوت دیکھے تو (غضب ناک ہوکر) تختیوں کو پھینک دیا اور وہ ٹوٹ گئیں''۔

مطلب یہ ہے کہ آنکھ سے کسی چیز کو دیکھ لینے کی بات ہی اور ہوتی ہے، خبر اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ دیکھنے کا جو اثر دل پر ہوتا ہے، وہ خبر سننے سے نہیں ہوتا، خواہ آدمی کو اس خبر پر کتنا ہی یقین کیوں نہ ہو۔ اس کو آپؐ نے ایک مثال دے کر سمجھایا کہ دیکھو حضرت موسیٰؑ کو خداوند تعالیٰ نے خبر دی تھی کہ ان کی قوم نے ان کی عدم موجودگی میں بچھڑے کو اپنا معبود بنالیا ہے۔ لیکن حضرت موسیٰؑ پر اس کا یہ اثر نہیں ہوا کہ وہ غصے میں آکر تورات کی تختیاں پھینک دیتے۔ لیکن جب انھوں نے اپنی آنکھوں سے قوم کے کرتوت دیکھ لیے تو وہ غیظ و غضب میں آگئے اور تورات کی تختیاں ایک طرف کو پھینک دیں کہ ہم تو تمھارے لیے کتاب ہدایت لے کر آئے اور تمھاری سرکشی کا یہ حال ہے۔

- اَلْحَرْبُ خُدْعَةٌ، ''جنگ ایک چال ہے''۔ (بخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب الحرب خدعۃ ،مسلم، کتاب الجہاد والسیر باب الجواز الخداع فی الحرب)

جنگ میں کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ اپنی جنگی تدابیر اور دفاعی رازوں سے دشمن کو باخبر نہ ہونے دیا جائے۔

- اَلْمُسْلِمُ مِرْاٰةُ الْمُسْلِمِ، ''مسلم، مسلم کا آئینہ ہے''۔(ترمذی اور ابوداؤد نے یہ روایت ان الفاظ میں بیان کی ہے: اَلْمُؤْمِنُ مِرْاٰةُ الْمُؤْمِنِ)

ایک مسلمان کو آئینہ کی طرح اپنے بھائی کے اندر پائے جانے والے کسی عیب کو اس پر ظاہر تو ضرور کردینا چاہیے، لیکن اس کے پیچھے جذبہ خیر خواہی کا ہونا چاہیے اور مقصد محض اصلاح ہو نہ کہ بھائی کے کسی عیب کی تشہیر۔

- اَلْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ، ''جس سے مشورہ کیا جائے ضروری ہے کہ وہ امانت داری سے

کام لے''۔ (ترمذی، ابواب الزہد، حدیث:۲۳۴۹، ابن ماجہ، کتاب الادب، باب المستشار مؤتمن، حدیث:۳۷۴۳)

یعنی وہ مفید اور صحیح مشورہ دے اور مشورہ لینے والے شخص کے راز کو کسی پر ظاہر نہ کرے۔ کیونکہ یہ ایک طرح کی خیانت ہے، جس کی توقع کسی مسلم سے نہیں کی جاسکتی۔

□ اَلدَّالُّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهٖ، ''خیر اور بھلائی کے کام کی طرف رہنمائی کرنے والا ایسا ہے جیسا کہ اس پر عمل کرنے والا''۔ (ترمذی، کتاب الذبائح، ابواب العلم، حدیث: ۲۶۶۲)

یعنی یہ بھی ایک نیک عمل ہے کہ کسی کو خیر اور نیکی کا کوئی کام بتایا جائے۔ اگر اس کی رہنمائی سے کسی شخص کو عمل خیر کی توفیق ملتی ہے تو رہنمائی کرنے والا شخص بھی اس کارِخیر میں شریک ہوگا۔ کیونکہ اس کی رہنمائی اگر میسر نہ ہوتی تو وہ نیک کام انجام نہیں دیا جاسکتا تھا۔

□ اِسْتَعِيْنُوْا عَلَى الْحَوَائِجِ بِالْكِتْمَانِ، ''حاجتوں اور ضرورتوں کے سلسلے میں پوشیدہ طور پر استعانت حاصل کرنے کی کوشش کرو''۔ (طبرانی کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں: اِسْتَعِيْنُوْا عَلٰى قَضَاءِ حَوَائِجِكُمْ بِالْكِتْمَانِ۔ مجمع الزوائد ج ۸، ص ۱۲۵)

یعنی کسی کام کی تکمیل کی فکر اور تدبیر خاموشی کے ساتھ کرنی چاہیے۔ خواہ مخواہ اس کی تشہیر کرنے میں بہت سی خرابیوں کے رونما ہونے کے اندیشے رہتے ہیں۔

□ اِتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ، ''جہنم کی آگ سے بچو، کھجور کا ایک ٹکڑا ہی دے کر سہی''۔ (بخاری، کتاب الزکوۃ، باب اتقوا النّار ولو بشق تمرۃ، حدیث:۱۳۶۲)

یعنی اصل سوال مقدار کا نہیں، اخلاص کا ہے۔ تمھارے پاس اگر دینے کو کھجور کا ایک ٹکڑا ہی ہے تو، تم اسے ہی صدقہ کرکے اس کا ثبوت بہم پہنچاسکتے ہو کہ تم اللہ سے ڈرنے والے ہو اور بندگان خدا کے لیے تمھارے دل میں نرم گوشہ موجود ہے۔

□ اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ، ''دنیا مومن کا قید خانہ اور کافر کی جنت ہے''۔ (مسلم، کتاب الزہد، حدیث: ۵۳۶۸۔ ترمذی، ابواب الزہد، باب مثل الدنیا، حدیث:۴۱۱۱)

مومن کی امیدیں آخرت سے وابستہ ہوتی ہیں۔ وہ خدا سے مغفرت اور جنت کا خواست گار

اور اُمیدوار ہوتا ہے، جس کے مقابلے میں دنیا کی کوئی حقیقت نہیں۔ اس لیے وہ دنیوی پریشانیوں سے بددل نہیں ہوتا، جس طرح وہ شخص ہوتا ہے جس کی نگاہ میں دنیا ہی سب کچھ ہے۔ مومن جانتا ہے کہ دنیا کے مصائب ومشکلات عارضی ہیں۔ ایک دن اسے لازماً ان سے نجات مل جائے گی۔ اس لیے وہ حدودِ الٰہی کے اندر رہ کر زندگی بسر کرتا ہے۔

- ◻ اَلْحَیَآءُ خَیْرٌ کُلُّہٗ، ''شرم وحیا سراسر بھلائی ہے''۔ (مسلم، کتاب الایمان، باب شعب الایمان، حدیث:۷۹)

آدمی کے اندر اگر حیا موجود ہے تو پھر اس سے کسی برائی اور خرابی کا اندیشہ نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن اگر کسی شخص کے اندر حیا اور شرم نہیں ہے تو کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کب کیا حرکت کر بیٹھے۔

- ◻ عِدَۃُ الْمُؤْمِنِ کَالْاَخْذِ بِالْیَدِ ، ''مومن کا وعدہ ایسا ہے، جیسے ہاتھ پکڑ لینا''۔ (الجامع الصغیر للسیوطی، حدیث:۸۱۲۸)

یعنی مومن اپنے وعدہ کا پاس ولحاظ رکھتا ہے۔ اس سے کسی وعدہ خلافی کا خطرہ نہیں ہوتا۔ اس کے وعدے پر پورا بھروسا کیا جاسکتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر وہ تمھیں کوئی چیز دینے کا وعدہ کرتا ہے تو یوں سمجھو کہ وہ چیز تمھارے ہاتھ میں پہنچ چکی۔

- ◻ لَا یَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اَنْ یَّھْجُرَ اَخَاہُ فَوْقَ ثَلٰثَۃِ اَیَّامٍ، ''مومن کے لیے جائز نہیں کہ تین دن سے زیادہ وہ اپنے بھائی کو چھوڑے رکھے''۔ (بخاری، کتاب الادب باب ما ینھی عن التحاسد، حدیث: ۵۷۲۵، مسلم، کتاب البر والصلہ، باب النھی عن التحاسد، حدیث: ۴۷۴۷)

مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کے تعلقات کشیدہ نہیں ہونے چاہییں۔ اگر کسی شکایت یا ناراضی کی وجہ سے کوئی اپنے مسلم بھائی سے کٹ گیا ہے، تو اسے یاد رکھنا چاہیے کہ اسلام میں اس طرح تعلق منقطع کیے رہنے کی کوئی گنجایش نہیں ہے۔ اسے لازماً تین روز کے اندر اپنے بھائی سے صلح کرلینی چاہیے۔ دینی مقاصد، ذاتی مفادات کے مقابلے میں کہیں زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ دینی مقاصد کی تکمیل اہل ایمان کے اجتماعی استحکام کے بغیر ممکن نہیں۔ اس لیے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ ایسا کوئی طرزِ عمل اختیار نہ کرے، جس سے اجتماعی نظم اور اجتماعی قوت کو نقصان پہنچتا ہو۔ اس

حدیث کی اہمیت و معنویت کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہمارے پیشِ نظر اسلامی نظامِ زندگی کا وہ تصور ہو، جس سے قرآن اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات ہمیں آشنا کراتی ہیں۔

□ لَيْسَ مِنَّا مَنْ غَشَّنَا، ''جو ہمارے ساتھ فریب و خیانت کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے''۔(المستدرک للحاکم، کتاب البیوع، حدیث: ۲۰۹۴)

یعنی جو شخص ذاتی فائدے کے لیے فریب اور خیانت سے کام لیتا ہے اور مسلمانوں کے ساتھ خیرخواہی کی ذمہ داری فراموش کردیتا ہے، تو سمجھ لینا چاہیے کہ وہ اپنا رشتہ اور تعلق مسلم گروہ سے منقطع کررہا ہے۔ انجام کے لحاظ سے یہ جس قدر خطرناک بات ہے، اس کا اسے احساس ہونا چاہیے۔

ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم بازار تشریف لے گئے۔ وہاں ایک شخص نے بیچنے کے لیے گیہوں کا ڈھیر لگا رکھا تھا۔ آپؐ نے اس میں ہاتھ ڈالا تو اندر گیہوں بھیگے ہوئے تھے۔ آپؐ نے وجہ دریافت فرمائی تو اس نے کہا کہ میں نے ارادے سے گیہوں نہیں بھگوئے۔ آپؐ نے فرمایا کہ بھیگے ہوئے گیہوں اوپر کیوں نہیں رکھے؟ اسی موقعے پر آپؐ نے وہ بات ارشاد فرمائی، جو اس حدیث میں نقل کی گئی ہے۔

□ مَا قَلَّ وَكَفٰى خَيْرٌ مِّمَّا كَثُرَ وَأَلْهٰى، ''جو چیز تھوڑی ہو مگر اس سے ضرورت پوری ہوجاتی ہو، وہ اس چیز سے بہتر ہے جو زیادہ ہو، مگر آدمی کو غفلت میں ڈال دے''۔

(مسند احمد، مسند الانصار، حدیث ابی الدرداء، حدیث: ۲۱۱۸۸)

مال دار لوگ اکثر اپنی دولت کی کثرت کی وجہ سے حق سے بےگانہ اور غافل ہوجاتے ہیں۔ ایسی کثیر دولت سے وہ تھوڑا مال کہیں بہتر ہے، جو آدمی کی ضروریات کے لیے کافی ہو اور اس سے آدمی کے غفلت میں پڑنے کا اندیشہ نہ کیا جاسکتا ہو۔ اسی پر دنیا کی دوسری چیزوں کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے کہ ان میں کون سی چیز کس صورت میں بہتر ہے اور کس صورت میں بہتر نہیں ہے۔

□ اَلرَّاجِعُ فِيْ هِبَتِهٖ كَالْكَلْبِ يَرْجِعُ فِيْ قَيْئِهٖ، ''اپنی دی ہوئی چیز کو واپس لینے والا کتے جیسا ہے، قے کرکے پھر اسے چاٹ رہا ہو''۔

تحفے میں یا اللہ کی راہ میں دی ہوئی چیز کو واپس لینا انتہائی ذلیل حرکت ہے۔ جس کے تصور سے بھی آدمی کو گھن آنی چاہیے۔ ایسی حرکت اخلاق سے گرا ہوا شخص ہی کرسکتا ہے۔ ایک حدیث میں

دی ہوئی چیز کو واپس لینے والے کو کتے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیے ہوئے گھوڑے کو قیمت دے کر بھی واپس لینے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو روکا تھا۔ کیونکہ اس صورت میں بھی یہ عمل دی ہوئی چیز کو واپس لینے سے مشابہت رکھتا تھا۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ دین کا مزاج کس قدر نازک و لطیف ہے۔

□ اَلْبَلَاءُ مُوَكَّلٌ بِالْمَنْطِقِ ،''آفت اور بلا بولنے پر مسلط ہوتی ہے''۔ (مسند الشہاب القضاعی، حدیث:۲۱۸)

اکثر زبان کا غلط استعمال مصیبت اور آزمائش کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے۔ خاموشی آدمی کو ہزار بلاؤں سے محفوظ رکھتی ہے۔ کتنے ہی اچھے تعلقات محض زبان کو قابو میں نہ رکھنے کی وجہ سے خراب ہوجاتے ہیں اور آدمی مصیبتوں میں گرفتار ہوجاتا ہے۔ زبان کی کاٹ تلوار سے بھی بڑھ کر ہوتی ہے۔ زبان کے ناروا استعمال سے بعض اوقات دلوں میں ایسے زخم ہوجاتے ہیں جو کبھی نہیں بھر سکتے۔ اس لیے بولنے اور زبان کے استعمال کرنے میں آدمی حد درجہ محتاط رہے۔

□ اَلنَّاسُ كَأَسْنَانِ الْمُشْطِ ،''لوگ ایسے ہیں، جیسے کنگھی کے دندانے ہوتے ہیں''۔ (مسند الشہاب القضاعی، حدیث:۱۸۶)

یعنی لوگوں کی فطری اور مطلوب حالت یہ ہے کہ ان کا باہمی ربط و تعلق اس طرح کا ہو، جیسا ربط و تعلق کنگھی کے دندانوں کے مابین ہوتا ہے۔ کنگھی کے دندانے صاف اور سیدھے رہ کر باہم ایک دوسرے کا ساتھ دیتے ہیں۔ اگر کنگھی کے کچھ دندانے ٹوٹ جائیں تو پوری کنگھی ناقص اور خراب ہوجاتی ہے۔ مثالی معاشرہ وہی ہے جس کے افراد باہمی ربط و تعلق کی اہمیت کو سمجھتے اور اس کا پاس و لحاظ رکھتے ہوں۔

□ اَلْغِنٰى غِنَى النَّفْسِ ،''اصل تونگری دل کی تونگری ہے''۔ (بخاری، کتاب الرقاق باب الغنی غنی النفس، حدیث:۶۰۹۱، مسلم، کتاب الزکوۃ باب لیس الغنی عن کثرۃ العرض، حدیث:۱۸۰۵)

دل اگر مستغنی نہیں ہے تو بڑی سے بڑی دولت بھی بے کار ہے۔ لیکن اگر انسان کا دل مطمئن ہے تو ظاہر کے اعتبار سے خواہ وہ مال دار نہ بھی ہو تو کوئی نقصان کی بات نہیں۔ کہا بھی گیا ہے ع

تونگری بہ دل است، نہ بہ مال

□ اَلسَّعِیْدُ مَنْ وُّعِظَ بِغَیْرِہٖ، ''سعادت مند وہ ہے، جو دوسرے کی حالت سے نصیحت حاصل کرے''۔ (امام مسلم نے کتاب القدر میں عبداللہ بن مسعودؓ کے قول کی حیثیت سے بیان کیا ہے، المعجم الکبیر للطبرانی، باب من اسمہ حمزۃ، حدیث: ۲۹۶۸)

بُرے لوگوں کے بُرے انجام کو دیکھ کر بھی جو لوگ عبرت اور نصیحت حاصل نہیں کرتے اور بُرائیوں اور گناہ کے کاموں سے باز نہیں آتے وہ آخر کار خود نشانِ عبرت بن کر رہتے ہیں۔

□ اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ حِکْمَۃً وَّاِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْرًا، ''بعض اشعار سراسر حکمت ہوتے ہیں اور بعض تقریریں جادو ہوا کرتی ہیں''۔ (بخاری، کتاب النکاح، باب الخطبہ، کتاب الادب باب یجوز من الشعر والرجز، حدیث: ۵۷۹۹)

ایسے اشعار جو علم و حکمت کا خزینہ ہوں، لائق تحسین ہیں۔ بعض تقاریر بھی اپنے اندر جادو کا سا اثر رکھتی ہیں۔ البتہ وہی جادو اثر تقریر پسندیدہ قرار پائے گی، جو حق و صداقت کے لیے کی جارہی ہو۔ لیکن اگر وہ باطل کی خدمت کے لیے ہے تو اس جادو اثری کو سامانِ ہلاکت ہی کہا جائے گا۔

□ عَفْوُ الْمُلُوْکِ اَبْقٰی لِلْمُلْکِ، ''بادشاہوں کا عفو و درگزر سے کام لینا سلطنت کی بقا کا ضامن ہے''۔ (الجامع الصغیر، باب حرف العین، حدیث: ۵۴۳۹)

حاکم کا فرض ہے کہ عوام کے ساتھ ہمدردی اور بہی خواہی کا سلوک رکھے۔ اس صورت میں لازماً وہ لوگوں کے لیے سخت گیر نہ ہوگا، بلکہ حتی الامکان وہ عفو و درگزر ہی سے کام لے گا۔ عوام بھی اس کے کریمانہ اخلاق سے متاثر ہوں گے اور حکومت کے ساتھ تعاون کریں گے۔ یہ چیز سلطنت کے استحکام کا باعث ہوگی۔ اس کے برخلاف عوام میں اگر بے اطمینانی پائی جاتی ہے تو اسے سلطنت کے حق میں فال نیک نہیں کہا جاسکتا۔

□ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ، ''آدمی اسی کے ساتھ ہے، جس سے وہ محبت رکھتا ہے''۔ (بخاری، کتاب الادب، باب علامۃ حبّ اللّٰہ، حدیث: ۵۸۲۳، مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب المرء مع من احب، حدیث: ۴۸۸۶)

محبت بڑا طاقت ور اور بنیادی جذبہ ہے۔ جس شخص یا گروہ سے آدمی محبت رکھتا ہے، اس کا شمار اسی کے ساتھ ہوگا۔ اصل اعتبار خلوص و محبت کا ہے، دوسری چیزیں ثانوی حیثیت رکھتی ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ سچی محبت کا یہ تقاضا ہے کہ وہ آدمی کے طرزِعمل پر اثر انداز ہو اور وہ کوئی ایسا کام نہ کرے، جو اس کی محبوب شخصیت کی مرضی کے خلاف ہو یا وہ اس گروہ کے مفاد کے خلاف ہو جس سے وہ محبت کا تعلق رکھتا ہے۔

- مَا هَلَكَ امْرُءٌ عَرَفَ قَدْرَهٗ، ''وہ شخص ہلاک ہونے سے محفوظ رہا جس نے اپنی قدر پہچانی''۔(لم اجد)

آدمی تباہی اور ہلاکت سے اسی صورت میں دوچار ہوتا ہے، جب کہ وہ اپنی حیثیت اور قدر و قیمت سے بے خبر رہ کر زندگی گزارتا ہے۔ ایسی حالت میں یا تو وہ احساس کمتری کا شکار ہوگا اور زندگی میں ایسا طرزِعمل اختیار کرے گا، جو اس کے شایانِ شان نہیں۔ اور اس طرح وہ اپنے آپ کو پستی میں گرا کر رہے گا اور کوئی چیز نہ ہوگی جو اسے تباہی و بربادی سے بچا سکے۔ یا پھر وہ بے جا پندار میں مبتلا ہوکر اپنے فرائض اور ذمے داریوں کی طرف سے یکسر غافل ہو جائے گا۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں خسران اور ہلاکت کے سوا اس کا کوئی اور انجام نہیں ہوسکتا۔

- اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ، ''بچہ عورت کے حصّے میں آئے گا، رہا زانی تو اس کے لیے پتھر ہے''۔ (بخاری، کتاب البیوع، باب تفسیر المشتبہات، حدیث: ۱۹۶۳، مسلم، کتاب الرضاع باب الولد للفراش، حدیث: ۲۷۲۳)

یعنی زنا کار درحقیقت زیاں کار ہے۔ بدکاری کے صلے میں اس کو بچہ نہیں مل سکتا بلکہ سزا میں اس پر پتھر ہی پڑیں گے۔

- اَلْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلٰى، ''اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے''۔(بخاری، کتاب الزکوٰۃ، باب الاستعفاف فی المسئلہ، حدیث: ۱۴۱۴)

فضیلت اسی میں ہے کہ آدمی کوشش اس بات کی کرے کہ وہ دینے والا ہو نہ کہ لینے والا۔

- لَا يَشْكُرُ اللهَ مَنْ لَّا يَشْكُرُ النَّاسَ، ''وہ شخص خدا کا بھی شکرگزار نہیں ہے جو انسانوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا''۔(ترمذی، ابواب البر والصلۃ، باب ماجاء فی الشکر،

حدیث: ۱۹۲۶)

جو شخص لوگوں کے احسانات کا شکریہ ادا نہیں کرتا بلکہ احسان فراموشی کا ثبوت دیتا ہے، تو یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اس کے اندر حق شناسی کا مادہ ہی نہیں ہے۔ پھر یہ توقع کیسے کی جاسکتی ہے کہ وہ خدا کا شکرگزار بندہ بن سکے گا؟ احسان شناسی اور اعتراف حق دراصل ایک اعلیٰ اخلاقی قدر ہے۔

□ حُبُّكَ الشَّيْءَ يُعْمِي وَيُصِمُّ، ''کسی چیز سے تمھاری محبت اندھا اور بہرا بنا دینے کی خاصیت رکھتی ہے''۔ (ابوداؤد، کتاب الادب، ابواب النوم، باب فی الھوی، حدیث: ۴۴۸۶)

یعنی انسان کی یہ ایک بڑی کمزوری ہے کہ وہ جب کسی چیز سے محبت کرتا ہے تو وہ اس محبت میں اتنا آگے بڑھ جاتا ہے کہ پھر اسے حق اور ناحق سجھائی نہیں دیتا، اور نہ وہ اس پوزیشن میں ہوتا ہے کہ اس معاملے میں کسی کی نصیحت سن سکے۔ اس لیے پیار اور محبت کے معاملے میں آدمی کو ہمیشہ محتاط رہنا چاہیے خواہ یہ محبت بیوی اور بچوں کی ہو، یا کسی دوسری چیز کی۔ محبت اگر اندھی ہے اور بالعموم یہ اندھی ہی ہوا کرتی ہے تو وہ آدمی سے حق و باطل کی تمیز سلب کرسکتی ہے۔

□ جُبِلَتِ الْقُلُوْبُ عَلٰی حُبِّ مَنْ اَحْسَنَ اِلَيْهَا وَعَلٰی بُغْضِ مَنْ اَسَآءَ اِلَيْهَا ''اپنے ساتھ احسان کرنے والے شخص کی محبت اور برائی کرنے والے کی عداوت، یہ انسانی قلوب کی فطرت میں شامل ہے''۔ (مسند الشہاب القضاعی، حدیث: ۵۶۶)

یعنی کسی کے دل کو احسان اور حسنِ اخلاق کے ذریعے سے جیتا جاسکتا ہے۔ ایسا دل ملنا مشکل ہے جو احسان سے متاثر نہ ہو۔ اسی طرح کسی کے ساتھ برائی سے پیش آکر اس کی توقع نہیں کی جاسکتی کہ اس کا وہ کوئی بُرا اثر نہ لے گا، اور اس کے دل میں ہمارے لیے عداوت اور نفرت کا جذبہ پیدا نہ ہوگا۔ اپنے محسن کے لیے دل میں محبت کا جذبہ ابھرنا اور بدخواہ کے لیے نفرت کا پیدا ہونا ایک فطری امر ہے، اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ دوست بنانا پسندیدہ بات ہے۔ خواہ مخواہ کسی کو دشمن بنالینا ایک ناپسندیدہ عمل ہے۔

□ اَلتَّآئِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ، ''گناہ سے توبہ کرنے والا اس شخص کی طرح ہے، جس نے گناہ کیا ہی نہ ہو''۔ (ابن ماجہ، کتاب الزہد باب ذکر التوبہ، حدیث:

۴۲۴۸)

مطلب ہے کہ کسی گناہ گار کو اپنے گناہوں کی وجہ سے اللہ کی رحمت سے ہرگز مایوس نہ ہونا چاہیے۔ خدا اس کے سارے ہی گناہوں کو بخش سکتا ہے، بشرطیکہ وہ سچے دل سے توبہ کرکے اپنی اصلاح کرلے۔ پھر تو اللہ کی نگاہ میں وہ ایسا ہو جائے گا، جیسے وہ کبھی گناہوں کے قریب بھی نہیں گیا۔

□ اَلشَّاھِدُ یَرٰی مَا لَا یَرَی الْغَائِبُ، ''حاضر اور موجود شخص جو کچھ دیکھتا ہے، اسے وہ شخص نہیں دیکھ سکتا جو موجود نہ ہو''۔ (مشکل الآثار للطحاوی، باب بیان مشکل ما رُوِی عن رسول اللہ، حدیث: ۴۳۳۳)

اسی لیے اعتماد اس شخص کی گواہی پر کیا جاتا ہے جو موقع پر موجود رہا ہو۔

□ اِذَا جَاءَ کُمْ کَرِیْمُ قَوْمٍ فَاَکْرِمُوْہُ، ''جب کسی قوم کا بزرگ شخص تمھارے پاس آئے تو اس کی عزّت کرو''۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی، کتاب القسامۃ، باب قتال اھل البغی، حدیث: ۱۵۵۲۴)

جو شخص ہمارے پاس آئے ہم اس کے مرتبے و مقام کا لحاظ رکھیں، یہ اسلامی اخلاق کا تقاضا ہے۔ اگر ہم نے کسی شخص کے ساتھ وہ سلوک نہیں کیا جس کا وہ فی الواقع مستحق تھا تو پھر ہمیں اس کی امید نہیں کرنی چاہیے کہ وہ ہمارے بارے میں کوئی اچھی رائے قائم کرے گا۔ اس صورت میں وہ ہمارے دین و ایمان کا اثر بھی قبول نہیں کرسکتا۔ ایک داعی اسلام کو کبھی وہ طرزِ عمل اختیار نہیں کرنا چاہیے، جو اسلام کی طرف آنے میں لوگوں کے لیے رکاوٹ بن سکتا ہو۔

□ اَلْیَمِیْنُ الْفَاجِرَۃُ تَدَعُ الدِّیَارَ بَلَاقِعَ ''جھوٹی قسم ملک کو ویران کرکے چھوڑتی ہے''۔ (السنن الصغیر للبیہقی، کتاب الایمان والنذور، باب الیمین الغموس، حدیث: ۳۱۶۰)

جھوٹی قسمیں اس بات کا ثبوت فراہم کرتی ہیں کہ لوگوں کے اندر نہ تو اپنے بھائیوں کی خیرخواہی کا جذبہ پایا جاتا ہے اور نہ ان کے دل میں خدا کا خوف باقی ہے۔ جب کسی ملک کے لوگوں کی اخلاقی حالت اس پستی کو پہنچ گئی ہو تو پھر اس ملک کو ویرانی اور تباہی گھیر لیتی ہے۔

□ مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِہٖ فَھُوَ شَھِیْدٌ، ''جو شخص اپنے مال کی وجہ سے مارا جائے، وہ شہید ہے''۔ (بخاری، ابواب المظالم باب من قتل دون مالہ، حدیث: ۲۳۶۸)

یعنی اپنے مال و اسباب کی حفاظت میں اگر کسی مومن کی جان چلی گئی تو وہ ضائع نہیں ہوئی بلکہ اس مردِ مومن کو شہادت کا درجہ حاصل ہوگا۔ اپنے مال کے لیے لڑنا اور ڈاکا ڈالنے والوں سے مقابلہ کرنا ایک طرح سے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کا درجہ رکھتا ہے۔ مومن اپنے مال کو خدا کی امانت سمجھتا ہے اور اس کو خدا کی رضا کے لیے اس کے حکم کے مطابق خرچ کرنا چاہتا ہے۔

□ اَلْاَعْمَالُ بِالنِّيَّةِ، ''اعمال کا انحصار نیت پر ہے''۔ (بخاری، باب ہجرۃ النبیؐ، حدیث:۳۷۰۷)

یعنی انسان کا وہی عمل باعث اجر وثواب ہے، جس کے پیچھے اچھی نیت رہی ہو۔ نیت اگر درست نہیں تو بڑے سے بڑا عمل بھی بے سود ہے۔ ایمان کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ فرد محض خدا کی خوشنودی اور اس کی رضا کے لیے کام کرے۔ کسی کام کا محرک اگر نام ونمود کی خواہش یا کوئی اور مذموم جذبہ ہے، تو وہ اللہ کے یہاں ہرگز مقبول نہیں ہوسکتا۔ ایک حدیث میں ریا اور نمایش کے لیے کام کرنے کو شرک تک کہا گیا ہے۔

□ سَيِّدُ الْقَوْمِ فِي السَّفَرِ خَادِمُهُمْ، ''قوم کا سردار سفر میں افرادِ قوم کا خادم ہوتا ہے''۔ (بیہقی فی شعب الایمان، فصل فی ترک الغضب، حدیث:۸۱۵۰)

سردارِ قوم یا قوم کے قائد کا فرض ہے کہ وہ قوم کے کام آئے۔ قوم کی فلاح وبہبود کے لیے تدابیر اختیار کرے اور حتی المقدور قوم کو فائدہ پہنچائے۔ اس کی سعی وجہد اس بات کے لیے ہو کہ اس کی قوم حق وصداقت سے بے بہرہ نہ رہے۔ وہ اسے مقامِ عزّت تک پہنچانے کی پوری کوشش کرے۔ لیکن آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بیش قیمت تعلیم کو فراموش کر دیا گیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قائد اپنے کو خادم تصور کرنے کے بجائے مخدوم سمجھتا ہے۔

□ خَيْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَاطُهَا، ''بہترین کام وہ ہے جس میں اعتدال کو ملحوظ رکھا جائے''۔ (بیہقی فی شعب الایمان، باب الاقتصاد فی النفقۃ، حدیث:۶۳۰۸)

کام کوئی بھی ہو اس میں افراط وتفریط سے بچنا ضروری ہے۔ کسی معاملے میں غیر معتدل رویہ اختیار کرنے سے مختلف قسم کی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں، جن کا پہلے سے آدمی کو اندازہ بھی نہیں ہوتا۔ معتدل اور متوازن طرزِ عمل ہی وہ طرزِ عمل ہے جسے اختیار کر کے آدمی آخر تک اس پر قائم رہ سکتا ہے۔

وہی کام نتیجہ خیز ہوسکتا ہے جسے آخر تک انجام دیا جائے۔

▫ اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لِاُمَّتِیْ فِیْ بُكُوْرِھَا یَوْمَ الْخَمِیْسِ ،'اے اللہ میری امت کے حق میں پنج شنبہ کے دن کے شروع میں برکت دے'۔ (ابن ماجہ، کتاب التجارات، باب ما یُرجی من البرکۃ فی البکور ، حدیث: ۲۲۳۴)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پنج شنبہ (جمعرات) کے دن باہر جانے کو پسند فرماتے تھے۔ غزوۂ تبوک کے لیے آپؐ پنج شنبہ ہی کے دن نکلے تھے۔ آپؐ چھوٹا یا بڑا لشکر کہیں روانہ کرتے تو دن کے اوّل وقت روانہ فرماتے۔ پنج شنبہ کی صبح کے لیے برکت کی دعا جو آپؐ نے مانگی ہے، اس سے آپؐ کی یہ تمنا بھی ظاہر ہوتی ہے کہ امت خدا کی راہ میں نکلنا ترک نہ کرے۔ یوں تو ہر ایک دن اللہ ہی کا ہے لیکن بعض پہلوؤں سے بعض دنوں کو خصوصیت حاصل ہے۔ پنج شنبہ کے دن نکلنے کی جو فضیلت ہے اس کے کئی وجوہ ممکن ہیں۔ ایک تو اس روز بندوں کے اعمال اللہ تعالیٰ کی جناب میں پیش ہوتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ پنج شنبہ کو عربی میں خمیس کہتے ہیں، جس کے معنی لشکر کے ہوتے ہیں۔ اس لیے یہ دن عملِ جہاد کے لیے فال نیک کی حیثیت رکھتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا حاصل کرنے کی ایک شکل بھی اس حدیث سے نکلتی ہے۔ اگر کوئی نیا کام کرنا ہو تو اسے پنج شنبہ کے دن سویرے شروع کیا جائے۔

▫ كَادَ الْفَقْرُ اَنْ يَّكُوْنَ كُفْرًا ،'' لگتا ہے کہ محتاجی کفر ہو جائے''۔ (بیہقی فی شعب الایمان، ۶۳۱۹)

یعنی فقر اور محتاجی کے سبب سے آدمی کفر تک پہنچ سکتا ہے۔ افلاس کی وجہ سے کسی آدمی کا کفر میں پڑنا کوئی حیرت کی بات نہیں ہے۔ فقر وفاقہ، افلاس وغیرہ آدمی کے ایمان کے لیے سخت آزمایش ہیں۔ اللہ ہمیں کسی ایسی آزمائش میں نہ ڈالے جو ہمارے ایمان کے لیے فتنہ ثابت ہو سکے۔

▫ اَلسَّفَرُ قِطْعَةٌ مِّنَ الْعَذَابِ ،''سفر عذاب کا ایک حصّہ ہے''۔ (بخاری، ابواب العمرۃ، حدیث: ۱۷۲۰، مسلم، کتاب الامارۃ باب السفر قطعۃ من العذاب ، حدیث: ۳۶۴۶)

سفر اور حضر میں بڑا فرق ہے۔ سفر میں وہ اطمینان اور آرام حاصل نہیں ہوتا جو آدمی کو

اپنے گھر پر میسر ہوتا ہے۔ اس لیے سفر اسی وقت اختیار کرنا چاہیے جب واقعی کوئی ضرورت ہو، بلاضرورت سفر اختیار کرنا اپنے اوقات کا صحیح استعمال نہیں ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے: فَإِذَا قَضَى نَهْمَتَهُ مِنْ وَجْهِهِ فَلْيَعْجَلْ إِلَى أَهْلِهِ، ''یعنی مسافر اپنے سفر کی غرض پوری کرے تو اپنے اہل وعیال کی طرف لوٹنے میں جلدی کرے''۔ (بخاری، کتاب الاطعمۃ، باب ذکر الطعام، حدیث: ۵۱۱۹)

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب آدمی سفر میں ہو اور زحمتیں پیش آئیں تو پریشان ہونے کے بجائے اسے یہ خیال کرنا چاہیے کہ وہ اپنے گھر میں نہیں ہے۔ موجودہ دور نے گرچہ سفر میں بہت سی سہولتیں فراہم کردی ہیں، لیکن اس کے باوجود سفر آج بھی سفر ہی ہے۔

- اَلْمَجَالِسُ بِالْأَمَانَةِ، ''مجلسوں کے لیے امانت داری لازم ہے''۔ (ابوداؤد، کتاب الادب باب نقل الحدیث، حدیث ۴۲۴۷)

یعنی اہل مجلس کا فرض ہے کہ وہ پوری رازداری سے کام لیں۔ مجلس کی کسی ایسی بات کو باہر بیان نہ کریں، جس سے کسی قسم کے فتنہ وفساد کا اندیشہ ہو۔ مجلس میں جو باتیں ہوتی ہیں ان کو امانت تصور کریں، جس کی حفاظت عقلِ عام کے نزدیک بھی ضروری ہے۔ بالعموم اس معاملے میں لوگوں سے بڑی کوتاہی ہوتی ہے، جس کے نتیجے میں طرح طرح کی خرابیاں معاشرے میں پیدا ہوجاتی ہیں۔ کتنے ہی لوگوں کے باہمی تعلقات اس سے متاثر ہوتے ہیں۔

- خَيْرُ الزَّادِ التَّقْوٰى، ''بہترین زادِراہ تقویٰ ہے''۔ (ابن حبان، کتاب الثواب، فیض القدیر، ج۳، ص۳۷۲)

یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی روشنی میں فرمائی ہے۔ قرآن میں ہے: وَتَزَوَّدُوْا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى (البقرہ ۲:۱۹۷) ''اور تقویٰ کا زادِراہ ساتھ لے لو کیونکہ سب سے بہتر زادِراہ تقویٰ ہے''۔ مسافر کے لیے زادِراہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح پاکیزہ اور صحیح زندگی تقویٰ کے بغیر میسر نہیں آتی اور نہ تقویٰ کے بغیر ایسی زندگی بسر کی جاسکتی ہے۔ تقویٰ وہ زادِراہ ہے جو سفرِ حیات میں بھی کام آتا ہے اور منزل پر پہنچنے کے بعد بھی اس کی ضرورت پیش آئے گی۔ تقویٰ ہی آخرت میں انسان کی کامیابی کا ضامن ہے۔